بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید قطب رحمہ اللہ کے افکار پر ایک نظر

سید رحمہ اللہ کی شخصی اور اجتماعی حیثیت ایک میزان میں

از۔ ڈاکٹر طارق عبدالحلیم المصری

مترجم؛ خلیق الرحمٰن قدرؔ

استاذ جامعہ دارالحدیث رحمانیہ سولجر بازار کراچی پاکستان

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

سید قطب رحمہ اللہ کے افکار پر ایک نظر

(سید رحمہ اللہ کی شخصی اور اجتماعی حیثیت ایک میزان میں)

زیرِ نظر سطور ان حضرات کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ جو خود کو سلفی، اخوانی اور دیگر تحریکوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جن کے خلط ملط افکار نے حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیا ہے۔ یا اس کے مشابہ ضرور کر دیا ہے۔ ایسے افکار سے فائدہ کم نقصان زیادہ ہوا ہے۔ ان سطور کے ذریعے میں انہی سے مخاطب ہوں۔

عزیزان گرامی! سید قطب علیہ الرحمۃ کے متعلق لوگوں کی آراء مختلف قسم کی ہیں۔ سید قطبؒ ایک بہت بڑے مفکر اور مصنف تھے۔ عصرِ حاضر کی اسلامی فکر اور تحریکاتِ اسلامیہ آپ کے افکار سے متاثر ہوتی ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں آپ پر مقدمہ ختم کیے جانے کے بعد آپ کے افکار و نظریات کا عکس دیگر اسلامی تحریکوں تک نظر آنے لگا تھا جس طرح بڑے علماء و مفکرین نے سید قطب کی فکری حمایت کی تھی اسی طرح بہت سے داعی حضرات نے آپ سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس اختلاف و اتفاق کا اہم سبب سید قطب کی تصنیفات اور ذاتی شخصیت کے بعض پہلو ہیں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے ہم سید قطب کے تمام تر نظریات سے کلی اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ بشری تقاضوں کے پیشِ نظر کچھ لغزشیں آپ سے بھی سرزد ہوئی ہیں۔ لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ اس رجلِ عظیم نے دعوتِ اسلامی میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ سید قطب کے اثرات سے انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو آپ کا مخالف ہے یا اسلام کو جانتا ہی نہیں۔

میں ان صفحات پر سید قطب کے متفقین اور مخالفین کی فہرست بیان کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس چیز سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میں اختلاف و اتفاق کی وجوہات پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس تجزیے سے معاملہ خود ہی واضح ہو جائے گا۔ ان صفحات پر' میں فکر سید پر' روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کیونکہ آپ کے افکار کے متعلق ہی لوگوں کے نظریات مختلف فیہ ہیں۔ کچھ اعتراضات اور تہمتیں خاص طور پر مشہور کی گئی ہیں۔ بعض لوگوں نے آپ کو تکفیری قرار دیا ہے۔ بلکہ اس دور کے تکفیریوں کے راہنما ہونے کا الزام بھی آپ پر عائد کیا جاتا ہے۔ بہرکیف ہم سید رحمہ اللہ کے افکار کو تین اقسام میں بیان کر سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ توحید اور توحید کے حدود و ضوابط کی تفہیم کے لئے سید قطب کے افکار و نظریات۔

۲۔ دین کی عملی اقامت کے لئے افکار و نظریات۔ جو توحید کی تفہیم کی روشنی میں مرتب ہوئے۔

۳۔ تحریکی افکار، جو اقامتِ دین پر مبنی ہوں۔ اعتقادی حقائق کی ادائیگی کا طریقہ کار۔

سید صاحب کے افکار کے مطابق ان تینوں اقسام پر روشنی ڈالی جائے گی۔ سید قطب کی تصنیفات سے آپ کے نظریات کو پیش کر کے اسکی مخالفت یا موافقت میں علماء اہلسنت اور علماء اصول تفسیر کے اقوال بیان کیے جائیں گے ۔اس کے ساتھ ساتھ وضاحت کی جائے گی کہ سید قطب پر تکفیری ہونے کی تہمت عائد کرنے والوں کی فہم میں کیا خامی ہے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے یا حاسدین اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے سید قطب کی مخالفت کرتے ہیں۔

عقیدہ توحید اور افکار سید قطب!

مسئلہ توحید کے حدود وضوابط اور اس کی وسعتوں کے متعلق سید کی زندگی کا ایک بڑا حصہ مصروف کار رہا ہے ۔اہلسنت والجماعت کے نزدیک توحید کی دو اقسام ہیں۔توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات۔ اس توحید سے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء ثابت ہوتے ہیں۔ ہم ان تمام صفات کا اقرار کرتے ہیں جو قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں۔ اسماء وصفات کے مسئلے پر، جو اعتراضات سید قطب پر ہوئے ہیں۔ ہم ان سے صرفِ نظر کر رہے ہیں اس لیے نہیں کہ یہ مسئلہ کوئی کم اہمیت کا حامل ہے۔ بلکہ اس مقام پر ہمارا مقصود صرف ''سید قطب اور مسئلہ تکفیر'' ہے اس کے علاوہ بھی معترضین نے بے شمار اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ ''الاستواء والاستعلاء ''میں تاویل کرتے ہیں۔ اسی طرح صفتِ کلام، صفت ید، اور مسئلہ مخلوقِ قرآن کے متعلق بھی اسی قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں۔ بعض غالی دشمن اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ سید قطب پر وحدۃ الوجود کے اقرار کا الزام عائد کر چکے ہیں (جیسا کہ ربیع المدخلی نے سید قطب پر بہت سی تہمتیں عائد کی ہیں۔ یہ شخص بدعتوں کی ترویج کے لئے بہت معروف ہے۔ ان الزامات کی تردید شیخ بکر ابوزید اور شیخ عبداللہ العزامؒ نے احسن طریقے سے کی ہے۔)

اب ہم مقصدِ ذکر کی طرف آتے ہیں۔ توحید الوہیت اور توحیدِ عبادت وہی ہوتی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا تقاضا ہے ۔کلمہ توحید کے تقاضوں کی بہترین وضاحت سید قطب نے بیان کی ہے۔ درج ذیل کلمات میں ہم سید قطب کے افکار ونظریات پیش کریں گے۔ یہ مسئلہ محکمات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے کوئی عقل مند ذی شعور صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ سید قطب کے کلمات کی موافقت و مخالفت میں ہم ائمہ اہل سنت والجماعت کے اقوال درج کریں گے۔ سید صاحب کے ایسے کلام کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جو محکم اور واضح ہوتا کہ اس کی کوئی تاویل نہ کر سکے۔ ہم نے مشابہ بیان کی طرف توجہ

نہیں کی ہے۔

سید صاحب لکھتے ہیں: ”توحید الوہیت دراصل توحیدِ عبادت اور رجوع الی اللہ کا تقاضا کرتی ہے۔عام معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرنا بھی شامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

((اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ، ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ))

”یعنی حکم صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔یہی دین قیم ہے“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کے تقاضوں کو بیان فرمایا ہے۔اور خبر دی ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق حکومت کرنا بھی عبادت ہے۔اور دین میں شامل بھی ہے۔دین سے مراد وہ کامل نظامِ حیات جو اللہ کی شریعت کے مطابق ہو۔اس سلسلے میں اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے کہ سید قطب علیہ الرحمتہ جب مسئلہ الوہیت پر بحث کرتے ہیں تو اس پر نظری گفتگو نہیں کرتے اور نہ ہی علمی موشگافیاں کرتے ہیں۔سید صاحب توحید کے کلی مسائل پر بحث کرتے ہیں بلکہ توحیدِ الوہیت کو عام انسانی زندگی پر اثر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انسان کے مادی اور شعوری احساسات کی نشو ونما اسی توحید پر ہو۔سید قطب توحید کے اس معنی کو بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کی تشریح کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں۔

”اس کلمے کی حقیقت کو تلاش کرنے کے لئے یورپی، فارسی، عربی طاغوت کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ طاغوت تو طاغوت ہی ہوتا ہے۔تمام لوگ اللہ کے بندے ہیں اور یہ بندے اس وقت تک بندگی کا حق ادا نہ کرسکیں گے جب تک کلمہ توحید کو سر بلند نہ کریں گے۔یہی کلمہ توحید کا تقاضا ہے وگرنہ ایک عربی جاننے والے شخص کو بھی اس کے معنی معلوم ہیں کہ ”نہیں ہے کوئی مگر ایک اللہ۔نہیں ہے حاکم مگر ایک اللہ۔نہیں ہے شریعت مگر ایک اللہ کی۔اسلام لوگوں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ عقیدۃً ایک دین کے پیروکار بن جائیں۔اس کلمے کے تحت تمام لوگوں کی حیثیت مساوی ہے۔کوئی کسی سے برتر وافضل نہیں ہے۔فارسی عربی اور یورپی اقوام ہر قسم کی رنگ و بو اور زبان و نسل کے لوگ اللہ تعالیٰ کے جھنڈے تلے ایک ہیں۔“

سید صاحب مزید لکھتے ہیں۔

”کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد لازم ہے کہ اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔بڑی

جدوجہد کے بعد جب عقیدے کی بنیادیں مضبوط ہوجائیں اور جب لوگ اپنے رب کی معرفت حاصل کرلیں، جس کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ اور جب لوگ خواہشات کی پیروی اور دنیاوی خداؤں کی بندگی سے آزاد ہوجائیں اور جب دلوں میں کلمۂ توحید جاگزیں ہوجائے تو یہ سرزمین یورپی فارسی طاغوت سے پاک ہوجائے گی۔ اس کے بعد دلوں میں عرب وعجم کی حکومت نہیں رہے گی اس کی جگہ اللہ کی قومیت لے لے گی۔ اور دنیا ہر قسم کے طواغیت سے پاک ہوجائے گی۔''

عزیزانِ گرامی! آپ پر سید قطب کا نظریہ مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوجائے گا۔ سید قطب اسی قسم کے اسلام کی ترویج چاہتے تھے۔۔ اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں سورۂ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''دین اللہ سے مراد وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ہو۔ ایسا دین اللہ تعالیٰ کی سلطانی اور حکمرانی کا مظہر ہوتا ہے۔ یہ دین لا الٰہ الا اللہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم اور دینِ الٰہی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ انسانوں کے اپنے خود ساختہ نظام، معاملات اور مناہج سے بہترین اور برتر نظام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نظام ہے۔ دین کا اہم ترین اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق حکومت قائم کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کیا جائے۔ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی الوہیت سے انکار کیا جائے اس دین کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسلام کا لغوی معنی اطاعت کرنا اور اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں سے قطع تعلق کرنا ہے۔ الوہیت میں سلطانی اور حکومت شامل ہوتی ہے''۔

سید قطب بیان کرتے ہیں کہ توحید کو ماننے والوں کو اپنے دلوں اور اپنی روزمرہ کی زندگی کے لئے راہنما، کلمہ توحید کو بنانا چاہیے۔ آپ لکھتے ہیں۔

''لوگوں نے ایسا کر کے دکھایا۔ کیونکہ جنہوں نے اس دین کو حکومت اور نظام کے طور پر نافذ کیا انہوں نے پہلے اس دین کو اپنے دلوں اور اپنی زندگی پر قائم کیا تھا۔ اقامتِ دین، عقیدہ اخلاق اور عبادات ہر چیز پر تھی۔ ان لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) سے اس دین کی اقامت کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس وعدے میں حکومت ملنے یا دنیا کا مال ومتاع ملنے کا تذکرہ نہ تھا بلکہ یہ وعدۂ جانفزا جنت کے حصول کا تھا۔ ان لوگوں نے آزمائشوں اور مشقتوں سے لبریز جہاد کر کے، اللہ کی طرف دعوت دے کر

اس وعدے کو پورا کیا تھا۔دنیاوی جاہ وجلال کے متلاشی اصحابِ حکومت ہمیشہ ایک چیز ناپسند کرتے رہے ہیں اوروہ چیز کلمۂ توحید کا نفاذ۔!!''۔

مذکورہ بالاعبارات میں سید قطب کے عقیدے کے متعلق وسیع معلومات ملتی ہیں۔اس کلام میں سید قطب درج ذیل امور کا اقرار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

۱۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمے کو پیش کیا تھا تو اس وقت کے اہلِ عرب اس کلمہ کے مفہوم ومعانی سے واقف تھے۔

۲۔ کلمہ توحید کا معنی یہ ہے کہ ہر قسم کے طاغوت چاہے وہ انسانی طاغوت ہوں یا شیطانی قانون وحکومت ان سب سے قطع تعلق کرکے اپنے آپ کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے مطیع وفرماں بردار بنادینا۔

۳۔اس کلمے کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اس کو انسانی زندگی پر لاگو کرنا بھی ضروری ہے۔یہ معاملہ اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ اگر وہ اس کلمے کو قبول کرے تو اپنے آپ کو اس کے مفہوم کے تحت داخل بھی کرے۔

۴۔اور جو لوگ اس کلمے کو قبول کرتے ہیں اور اپنے شعور وحواس پر اس کلمے کو قائم کرتے اور زندگی پر کلمے کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ منافقت سے بچنے اور اخلاق کی درستگی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔''

ان عبارات کو دیکھ کر بتایئے کہ کیا سید قطب کا موقف درست ہے یا غلط ہے؟ مزید وضاحت کے لئے ہم زیرِ نظر سطور پر اہل سنت والجماعت کے ائمہ کرام کے اقوال اور تفسیری قواعد کی روشنی میں ان عبارات کی تشریح کررہے ہیں۔

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کے متعلق سوالات کرتا ہے۔جو ایک حدیث میں مکمل درج ہیں۔علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

''سیرت اور کتب تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہل کتاب اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے تھے،وہ جانتے تھے کہ آپ سچے ہیں۔لیکن وہ صرف اس گواہی کی بنا پر مسلمان نہیں کہلاتے تھے۔اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی اور چیز کا نام ہے۔اسلام صرف اللہ کی معرفت اور اللہ کے اقرار کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام اللہ کی معرفت کے ساتھ ساتھ اطاعت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی ظاہری وباطنی اطاعت کا نام ہے۔''(زادالمعاد)

کلمۂ توحید کوزبانی ادا کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی کے ساتھ ساتھ حقیقی اطاعت وفرمانبرداری کرنا بھی ضروری ہوتا ہے صرف دل سے اقرار کرنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوجاتا۔ بلکہ دلی اقراراور عملی اطاعت دونوں ضروری ہے۔اس مقام پر ابن قیم رحمہ اللہ کی بحث ایک خاص مسئلے کے متعلق ہے۔اور وہ مسئلہ کسی انسان کے اسلام میں داخل ہونے کے متعلق ہے۔تمام اعمال کے متعلق نہیں ہے۔تمام اعمال کے متعلق اسلام کا حکم یہ ہے کہ انسان ایسے اعمال سے اجتناب کرے جس سے حقیقتِ اسلام میں بگاڑ پیدا ہو۔مثلاً ایسے اعمال کا ارتکاب کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر قرار دیا ہے۔جیسا کہ کچھ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم تو صرف مذاق کررہے تھے ہمارا مقصد توہین کرنا نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس عذر کو قبول نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ ایسے اعمال کرنے والے کافر ہیں۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

((لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ.)) (توبة : ٦٥)

''یعنی تم عذر پیش نہ کرو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا''

اس مسئلے کے متعلق قدیم وجدید علماء کے بہت سے اقوال ہیں جنہوں نے سید قطب کی طرح اقرار کیا کہ شریعت کے مطابق نظام حکومت چلانا ہی شریعت کا اصل مقصد ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔''کوئی حاکم اگر بغیر علم کے حکومت کرے تو وہ اہل نار میں شامل ہے۔اگر وہ جانتا ہے مگر حق کے خلاف حکم لگاتا ہے تو بھی اہل نار میں شامل ہے۔اس طرح اگر کوئی حاکم بغیر علم اور بغیر عدل وانصاف حکومت کرے تو بالاولیٰ اہل نار میں شامل ہے۔اس قاعدے کی رو سے اگر کوئی مسلمانوں کے دین میں حکم لگائے اور حق کو باطل ، باطل کو حق بنائے' بدعت کو سنت اور سنت کو بدعت بنادے۔اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے برعکس حکم لگانے کی حد تک بڑھ جائے تو اس شخص کا معاملہ بہت بڑھا ہوا ہے۔اس کے متعلق اللہ رب العالمین فیصلہ کرے گا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

((وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ))

''یعنی حکم صرف اللہ کا ہی ہے اور تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

ایک اور مقام پر فرمایا۔

((هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا))

''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دینِ حق اور ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔تاکہ دین کو تمام دینوں پر غالب کیا جائے۔اوراللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں۔''جو شخص اللہ کے دین کے علاوہ قوانین کو نافذ کرنا جائز سمجھے تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ ہرقوم چاہتی ہے کہ وہ عدل وانصاف کے مطابق حکومت کرے۔اورلوگ اپنے بزرگوں کے بنائے ہوئے قوانین کومبنی برعدل سمجھتے ہیں۔بہت سے مسلمان اپنے بزرگوں اوراپنے حکمرانوں کے فیصلوں کوکتاب وسنت سے بڑھ کر لائق نفاذ سمجھتے ہیں۔یہی چیز کفر ہے۔ان لوگوں کو جب خبر دی جائے کہ اللہ کے حکم کے علاوہ قانون کے مطابق حکومت کرنا جائز نہیں تو پھربھی یہ لوگ اپنے فعل کو جائز سمجھتے ہیں۔اس پر ڈٹے رہتے ہیں''۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔''اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ حکم'جو تمام برائیوں سے روکنے والا اور کامیابی فلاح کی طرف بلانے والا ہے۔اس حکم کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے خواہشات پرمبنی قانون کی طرف جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جس طرح تاتاری اپنی ملکی سیاست چلانے کے لئے چنگیز خان کے وضع کردہ قانون یاسق سے مدد لیتے ہیں۔چنگیز خانی آئین ایک مجموعہ کتاب پر مشتمل ہے جس میں یہودی،عیسائی،اور اسلامی شریعتوں سے مختلف قوانین اکھٹے کئے گئے ہیں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں جو چنگیز خان نے اپنی ذاتی عقل ودانش کے تحت مدون کئے ہیں۔تاتاری لوگ اس آئین یاسق کو کتاب اللہ اورسنت رسول سے مقدم جانتے مانتے تھے۔''

ابن کثیر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔''جو شخص بھی ایسا عمل کرے گا وہ مسلمان نہیں ہوسکتا ۔اس کے خلاف جہاد کرنا اس وقت تک لازم ہے جب تک وہ اللہ اور رسول کی طرف رجوع نہ کریں۔جو شخص اللہ کی محکم شریعت کو چھوڑ کر دیگر منسوخ شدہ شریعتوں یا ذاتی خواہشات پرمبنی قوانین کی طرف جائے تو وہ مسلمان نہ ہوگا۔تو ذرا سوچئے!جو شخص چنگیز خان کے آئین کو اللہ اور رسول کے احکامات سے افضل سمجھے وہ کافر نہ ہوگا۔؟؟؟!

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ اپنی تفسیر''عمدۃ التفاسیر''میں رقم طراز ہیں۔''کیا اللہ کی شریعت میں یہ کام جائز ہے کہ مسلمانوں کے ممالک پر یورپی ملحدانہ قوانین نافذ کئے جائیں؟؟یا ایسے احکامات جاری کئے جائیں جو باطل خیالات پر مبنی ہوں؟اوران قوانین کو جب چاہیں جیسے چاہیں تبدیل کرتے رہیں؟ان قوانین کو نافذ کرنے والے اتنا بھی نہیں

جانتے کہ یہ قوانین اسلامی شریعت کے موافق ہیں یا مخالف !! کیا یہ سب کچھ جائز ہے؟ مسلمانوں پر تاتاری دور کے علاوہ کبھی ایسے حالات واقع نہیں ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں تاتاری دور ظلم وزیادتی پر مبنی تاریک دور تھا اس وقت بھی مسلمانوں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ حالات سے سمجھوتہ اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی بے مثال جدوجہد سے تاتاریوں پر غالب آ گئے۔ بالآخر تاتاری مسلمانوں کے رنگ میں رنگے گئے۔ دین وشریعت پر مسلمانوں کی ثابت قدمی کی وجہ سے تاتاریوں کا اثر ورسوخ زائل ہوگیا۔ اس ظالمانہ بدترین عہد میں ایک بڑا فریق حکمران طبقہ تھا۔ لیکن محکوم مسلمان عوام نے ان قوانین کو قبول نہ کیا اور نہ ہی اپنی نسلوں کو تعلیم دینے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی عدم دلچسپی کے باعث تاتاری سوچ جلد زوال پذیر ہوگئی۔''

آٹھویں صدی ہجری میں دشمنِ اسلام چنگیز خان کے وضع کردہ قانون کے خلاف حافظ ابن کثیرؒ کے مضبوط افکار ملاحظہ کرنے کے بعد چودہویں صدی ہجری میں مسلمانانِ عصر حاضر کے احوال وظروف پر بھی نگاہ ڈالیے۔ آپ کو ایک بڑا فرق ضرور نظر آئے گا۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں یہ سوچ فقط حکمران طبقہ تک محدود تھی۔ موجودہ دور میں ظلم واندھیر نگری اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ مسلمان ممالک میں شریعت کے خلاف قوانین نافذ کیے جا چکے ہیں۔ چنگیز خانی آئین ''یاسق'' تو ایک ظاہری کافر نے بنایا تھا۔ لیکن قوانین اسلام کے نام لیواؤں نے بنائے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ نسلیں ان قوانین کو سیکھتی اور ان پر فخر کا اظہار کرتی نظر آتی ہیں ان غیر اسلامی قوانین کی مخالفت کرنے والوں کو رجعت پسند اور جامد سوچ کا مالک کہا جاتا ہے''۔

(مفسر احمد شاکر رحمہ اللہ کے ان الفاظ میں عصر جدید کے چند نئے القابات بھی شامل کر لیجئے! آج کل ان لوگوں کو دہشت گرد، خارجی، وہابی کے القابات دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ عوام الناس کو دینِ الٰہی سے دور کیا جائے)

اور تو اور اب حالت یہ ہے کہ بچے کچھے اسلامی قوانین میں ترمیم کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور یہ کوششیں کبھی نرمی اور کبھی گرمی کے ساتھ روبہ عمل ہیں ان نام نہاد مسلمانوں کو دینِ اسلام کے قوانین کے خلاف کام کرتے وقت کوئی حیا بھی نہیں آتی حالانکہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کو حکومت پر فوقیت حاصل ہے۔

عزیزان گرامی! کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ ایسے جدید دین کی پیروی کرے؟ روشن خیالی پر مبنی جدید قوانین کو اپنائے۔ کیا کسی مسلمان والدین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی اولاد کو غیر اسلامی قوانین کی تعلیم وتربیت اور اطاعت کے لئے بھیجے۔؟؟

ان خودساختہ قوانین کے بارے میں اسلامی حکم روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ خودساختہ قوانین واضح طور پر کفر ہیں۔اسلام کے نام لیوا ہر شخص کو ان قوانین سے بچنا چاہیے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے اعمال پر کوئی عذر پیش نہیں کر سکے گا۔اسی طرح علماء کرام کو چاہیے کہ وہ حق کو بغیر کسی خوف اور بغیر کسی ترمیم وتبدیلی کے پیش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ غیر اسلامی قوانین کے غلام مجھ پر رجعت پسند اور غیر ترقی یافتہ ہونے کی طعنہ زنی کریں۔ یہ لوگ جو چاہیں کرتے پھریں مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جو کچھ حق ہے میں اسے ضرور بیان کروں گا۔'' (عمدۃ التفاسیر:۱/۶۱۲ از علامہ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ)

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔''جو حاکم غیر اللہ کے قوانین کے مطابق فیصلہ۔اس عقیدے کے ساتھ دے کہ اللہ کا حکم ہی حق ہے۔لیکن ایک آدھ مرتبہ غیر اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کر بیٹھے تو اس کا یہ عمل ''کفر دون کفر''یعنی چھوٹا کفر کہلائے گا۔لیکن اگر وہ حاکم ترتیب سے تمام قوانین ہی کفریہ نافذ کرتا چلا جائے۔تو وہ شخص کافر ہی ہوگا۔اگرچہ خود وہ حاکم کہے کہ شریعت زیادہ عدل وانصاف پر مبنی ہے''۔(فتاویٰ محمد بن ابراہیمؒ)

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے شیخ صالح الفوزان لکھتے ہیں۔''شیخ محمد ابراہیم نے اس مقام پر ایک جزوی حکم اور تمام احکامات پر مبنی سلسلہ حکم میں فرق کیا ہے۔آپ نے کفریہ احکامات کی اکثریت کو ملت سے خارج ہونے والا عمل اور سبب قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اسلامی قوانین کو ہٹا کر اس کی جگہ خودساختہ قوانین نافذ کرے تو اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انسانی قوانین کو اسلامی قوانین سے بہتر وبرتر سمجھتا ہے۔ایسا کرنا ظاہر ہے توحید اور اسلام کے منافی ہے۔(کتاب التوحید۔صالح الفوزان)

اب ہم کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کی طرف آتے ہیں۔حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ عرب کلمہ توحید کے معانی جانتے تھے۔حضرت مثنیٰ بن حارثہ بیان فرماتے ہیں۔''**ھٰذا امر تکرھہٗ الملوک**''یعنی اس کلمے کے اظہار کو بادشاہانِ وقت پسند نہیں کریں گے۔ایک اعرابی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں''**اذن تحاربک العرب والعجم**''یعنی اس کلمے کی وجہ سے آپ سے عرب وعجم جنگ کریں گے''۔اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حکام وملوک اس کلمے کو پسند نہیں کرتے۔ کلمے کے معانی کے مشہور ومعروف ہونے کے لئے دلیل عرب وعجم کا جنگ کرنا ہے۔اصحاب عقل ودانش کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

بعض مرجئہ لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مجلز تابعی علیہ الرحمۃ کی روایات سورۂ مائدہ کی روشنی

میں پیش کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غیر اسلامی قانون نافذ کرنے کے عمل کو کفر دون کفر یعنی چھوٹا کفر قرار دیا ہے۔ محدثِ جلیل احمد شاکر اور علامہ محقق محمود شاکر نے اس قول کی بہترین تشریح کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس دور کے بنو امیہ کے حکمرانوں کے متعلق یہ بات کہی تھی۔ خلفاء بنو امیہ اپنے ظلم و جور کے باوجود اسلامی قوانین کو غیر اسلامی قوانین سے تبدیل کرنے والے نہ تھے۔ احمد شاکر رحمہ اللہ کا تفصیلی کلام درج ذیل ہے۔ ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے چند آثار کو لے کر موجودہ دور کے بزعم خود علماء نے بہت شور مچا رکھا ہے۔ ان آثار کو اپنے ان ملحدانہ اور کفریہ قوانین کے لئے بطور عذر پیش کیا جاتا ہے جن قوانین کو بلادِ اسلام پر بزور جبر نافذ کر رکھا ہے۔ اسی طرح خوارج اور اس کے دور کے حکمرانوں کے متعلق ابن مجلزؒ تابعی علیہ الرحمۃ کی ایک روایت بہت مشہور ہے۔ یہ دونوں آثار امام طبری رحمہ اللہ نے روایت کئے ہیں اس کے متعلق ہمارے برادر سید محمود شاکر نے ایک بہت نفیس تعلیق رکھی ہے۔ ہم یہاں پہلے طبریؒ کی روایت اور بعد میں اس پر لکھی گئی تعلیق تحریر کر رہے ہیں۔

''امام طبریؒ عمران بن حیدر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابومجلزؒ کے پاس بنو عمرو قبیلے کے چند افراد آئے۔ انہوں نے ابومجلزؒ سے سوال کیا۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو جانتے ہیں ''وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ'' یعنی جو شخص اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح ظالم اور فاسق ہونے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کیا یہ بات حق ہے؟ ابومجلزؒ نے فرمایا، ہاں واقعی حق ہے۔ انہوں نے بنو امیہ کے بعض ظالم حکمرانوں کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا کہا یہ حکمران اللہ کے دین کے مطابق حکومت کر رہے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا ''بنو امیہ دین اسلام پر قائم ہیں اس دین کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر کسی حکم کو چھوڑتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ گناہ گار ہیں۔ ان لوگوں نے کہا اے ابومجلزؒ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ تم ان سے جدا ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ تم خروج کرنے کو درست سمجھتے ہو لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا''۔

سید محمود شاکر کی تشریح: دورِ حاضر کے فتنہ پرور افراد ایسے کلام کو موجودہ حالت میں اکثر و بیشتر پیش کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑنے والے حکمرانوں کے لئے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہیں ان حکمرانوں نے جان و مال اور عزتوں کے تحفظ کے لئے نازل کردہ قوانین الٰہی کو چھوڑ کر اہل کفر کے وضع کردہ قوانین کو مسلمان ممالک میں نافذ کر رکھا ہے۔ ایسے لوگ جب گذشتہ بیان کردہ روایات جیسی کوئی چیز پاتے ہیں تو اپنے غلط اعمال کو درست سمجھنے لگتے ہیں۔ کفریہ قوانین پر خوش رہتے ہیں اور ان کفریہ قوانین پر عمل کرنے والوں کو برا نہیں سمجھتے

۔اس روایت پر غور وفکر کرنے کے لئے لازمی ہے اس میں مذکور سائل ومسئول کے متعلق باخبر ہوا جائے۔تابعی کبیر ابومجلز رحمہ اللہ (لاحق بن حمید الشیبانی الدوسی) ایک ثقہ محدث تھے۔آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کرتے تھے۔جنگ جمل اور صفین کے موقع پر آپ کی قوم بنوشیبان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔صفین کے موقع پر جب تحکیم کا معاملہ شروع ہوا تو خارجی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہوگئے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والوں میں سے بعض لوگ بنوسدوس' بنوشیبان سے تعلق رکھتے تھے۔ابومجلز رحمہ اللہ سے سوال کرنے والے اباضیہ گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔یہ لوگ عبداللہ بن اباض خارجی کے پیروکار تھے۔عبداللہ بن اباض کا کہنا تھا جو خارجی لوگوں کی مخالفت کرتا ہے وہ کافر ہے۔اور خود یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مخالفت کرنے والا تھا۔سوال کرنے والے اباضیوں کا یہ کہنا تھا کہ ابومجلز کو چاہیے کہ وہ امراء بنوامیہ پر تکفیر کا فتویٰ عائد کریں کیونکہ ان حکمرانوں سے بعض اوقات گناہوں کا ارتکاب ہوجاتا تھا۔اسی لیے ابومجلز رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا تھا کہ ''یہ امراء اپنے اعمال سے واقف ہیں یہ اپنے آپ کو گناہ گار ہی تصور کرتے ہیں''۔

اس دور کے غیر اسلامی قوانین نافذ کرنے والے اس روایت سے حجت نہیں پکڑ سکتے۔ایسا کریں گے تو ان کا یہ فعل اللہ اور اس کے رسول سے بے رغبتی اور کفر کو دینِ حقہ پر ترجیح دینے کے مترادف ہوگا۔ایسا کرنا تمام مسلمانوں کے نزدیک بلاشک وشبہ کفر ہے۔اور یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں اس دور میں بغیر کسی استثناء کے تمام احکام الٰہی کو پسِ پشت ڈالا جاچکا ہے۔کتاب وسنت اور شریعتِ الٰہی کو عضوِ معطل بنادیا گیا ہے۔تاریخ اسلام میں ایسا دور کبھی بھی نہیں آیا ہے۔اگر حضرت ابومجلز رحمہ اللہ کے دور میں ایسے حکمران ہوتے جو کفریہ قوانین کو کتاب وسنت پر ترجیح دیتے ہوں تو ابومجلز رحمہ اللہ کبھی بھی ان کی حمایت نہ کرتے۔لہٰذا اس دور میں اس روایت کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔جو لوگ ان روایات کے معنیٰ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا یہ عمل شریعت سے انکار کے مترادف ہے۔ان لوگوں سے توبہ کا مطالبہ کرنا چاہیے۔اگر یہ پھر بھی اپنے اعمال پر ڈٹے رہیں اور اللہ کے حکم کا انکار کرتے رہیں اور اس میں ترمیم کرنے کی کوششیں کرتے رہیں تو ان کا یہ عمل کفر نہیں تو کیا ہوگا؟؟؟

سورۃ مائدہ کی آیت کی ہم درج ذیل تشریح کررہے ہیں۔

۱۔ قرآن میں کافر' ظالم' فاسق کے الفاظ چھوٹے کفر کے لیے نہیں آئے ہیں۔امام شاطبی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔''قرآن جس نص یا حکم کو بیان کرتا ہے اس سے مراد غایت درجہ حد مقصود ہوتی ہے۔اس حکم پر حال اور وقت

تقاضا کرنے والا ہوتا ہے۔عقل کے ذریعے انسان اس نص پر حکم شرعی کو دیکھ سکتا ہے۔(الموافقات: ۳/۱۴۰)

کفر اصغر یا کفر عملی کی مثالیں البتہ حدیث میں ضرور ملتی ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے ''**سباب المسلم فسوق وقتاله كفر** ''یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کے خلاف لڑنا کفر ہے۔(بخاری ومسلم) اسی طرح عورتوں کے متعلق فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''**تكثرن اللعن وتكفرن العشير** ''یعنی تم میں لعن طعن کی کثرت اور خاوندوں کی نافرمانی وناشکری بہت زیادہ ہے۔(بخاری)

۲۔ اس مقام پر کفر کا حکم غیر اسلامی قانون کے سلسلے میں لگایا گیا ہے۔حاکم یا کسی فرد کے عام گناہوں کے سلسلے میں یہ حکم نہیں ہے۔شریعت کے متوازی قانون سازی پر حکم ہوا ہے تا کہ حقوق عوام کے متعلق عام ظلم وستم پر ایسا حکم عائد ہوا ہے۔اللہ کی شریعت کو بدل کر اس کی جگہ مکمل قوانین غیر اسلامی نافذ کرنے میں اور ایک آدھ کسی خاص معاملے میں اپنی ذاتی خواہش کو نافذ کرنے میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔اس قسم کی تفریق کرنا اور ان علماء کرام کی خدمت میں پیش کرنا بہت ضروری ہے جن میں ارجاء کے کچھ جراثیم پائے جاتے ہیں۔مثلاً البانی اور قرضاوی وغیرہ۔ہم مسئلہ توحید میں بڑے بڑے ناموں کی پیروی نہیں کرتے۔ان کی تقلید کرنے سے یہ مسئلہ بہت بڑا ہے۔

۳۔ سورۃ مائدہ کی آیت ''وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الْكَـٰفِرُونَ ''میں نفی وانکار کے عمومی صیغے بیان کئے گئے ہیں۔اس آیت کی تشریح کرتے وقت بعض ارجاء پسند حضرات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابومجلز رحمہ اللہ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔حالانکہ یہ اقوال خاص مسئلے پر دلالت کرنے والے ہیں۔اور آیت کا حکم عمومی ہے۔بہر کیف پھر بھی.....................

۱۔ قول صحابی قرآن کے عام حکم کی تخصیص نہیں کرسکتا۔اصول فقہ کی کتب میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس آیت کی تفسیر کے متعلق نہیں بیان ہوا ہے۔یہ اس آیت کی حقیقی تخصیص نہیں کررہا ہے بلکہ یہ قول ایک علیحدہ سلسلے میں بیان ہوا ہے۔

۳۔اگر بفرض احتمال ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ یہ قول اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں بیان ہوا ہے۔تو بھی از روئے قواعد حدیث یہ قول غیر صحیح ہے۔کیونکہ صحابی کا صرف مرفوع قول ہی معتبر ہے۔اور وہ قول صحابی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہونا چاہیے۔جیسا کہ اصول فقہ وحدیث کی کتب میں واضح بیان ہوا ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفاصیل سے واضح ہوتا ہے کہ سید قطب رحمہ اللہ نے اپنے افکار ونظریات کو پیش کرتے وقت اقوال

علماء، تفسیر اور قواعد فقہ وحدیث سے تجاوز نہیں کیا ہے۔آپ نے مسئلہ تحکیم کو پیش کرتے وقت اس بارے میں اجتہاد کی حدود کی تنگی کو پیش نظر رکھا ہے۔اس دور میں یہ کہنا کہ سید صاحب نے تکفیر کرنے کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا صحیح نہیں ہے۔اس بات کو کہنے والا یا تو سید صاحب کے نظریات اور شرعی اصول قواعد سے ناواقف ہے یا وہ ظاہری نفاق کا شکار ہے۔

دین کی عملی اقامت اور افکار سید قطبؒ

سید قطب رحمہ اللہ اسلام کے طبعی خواص کے بارے میں یہ فہم رکھتے ہیں کہ اسلام انسان کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے لئے آیا ہے۔یہ دین عبادت گاہوں اور گرجا گھروں کا دین نہیں ہے۔بلکہ یہ دین علمی وعملی میدانوں میں کار آمد ہے۔آپ کا خیال تھا کہ ہمیں نہایت باریک بینی سے سوچنا چاہیے کہ اس دور میں ایک عام مسلمان اسلام کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ایک مسلمان اور غیر مسلم ایک ہی صف میں کیوں کھڑا ہے؟ قرآنِ کریم نے دین کی عملی اقامت کی جانب توجہ ان الفاظ سے دلائی ہے۔

((وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ)) (انعام: ۵۵)

"یعنی ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ جدا ہو جائے"۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

((لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ)) (انفال: ۳۷)

"یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کو ناپاک سے جدا جدا کر دے"۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح کو غیر صالح اور پاک کو ناپاک سے علیحدہ کرنا شریعت کا ایک اہم مقصد ہے جو لوگ دین کا فہم حاصل کرتے ہیں ان کو یہ پہچان ہو جاتی ہے۔سید قطب اس سلسلے میں دین کی اقامت کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ اس کو دیکھنا چاہیے اور یہ بھی کہ اس نظریات میں تکفیر کا شبہ کہاں سے آیا ہے۔سید قطب سورۃ انعام کی آیت ۵۵ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ اسلامی تحریکوں کو اس دور میں سب سے اہم ترین توجہ اس بارے میں دینی چاہیے ۔اقوام عالم میں مسلمانوں کو ایک بڑی قوم بن کر ابھرنا چاہیے مسلمانوں کے وطنوں کو دار الاسلام کہا جائے جہاں پر دین الٰہی غالب اور شریعت کے مطابق قانون سازی اور حکومت ہو۔اس دور میں مسلمانوں کی سرزمین اور مسلم اقوام کی طرف دیکھئے یہ

لوگ اسلام کو چھوڑ بیٹھے ہیں اعلانیہ مسلمان ہیں مگر عقیدۂ اسلام کو ناپسند کرتے ہیں۔ اگر چہ خود اس گمان میں مبتلا رہیں کہ ہم اسلام کو ماننے والے ہیں۔ اسلام لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اور وہ اس دنیا کا خالق و مالک ہے۔ وہ ایک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور جس کی طرف معاملات زندگی میں رجوع کرتے ہیں۔ اس رب سے اس کے بندے اپنی شریعتوں کو حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص لا الٰہ الا اللہ کے اس معنی کی گواہی نہیں دیتا وہ اسلام میں ابھی تک داخل نہیں ہوا ہے۔ اس کا نام، اس کا لقب اور اس کی نسبت چاہے کچھ بھی ہو۔ جس سرزمین پر لا الٰہ الا اللہ کی گواہی۔ اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ موجود نہیں وہ زمین ابھی تک اسلام کو اپنا نہیں پائی ہے۔

عزیزان گرامی! اس وقت بہت سی قومیں ہیں جن کے نام اسلامی ہیں۔ اور مسلمانوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت سے وطن ہیں جو کبھی دارالاسلام تھے۔ لیکن اس وقت وہ ایسے حالات میں جہاں وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی نہیں دے رہے۔

۲- ان ممالک میں ان حالات میں مسلمان تحریکوں کے لئے بڑا کٹھن کام آن پڑا ہے۔ اور وہ کام مسلمان صالحین کو مجرموں اور مشرکوں سے جدا جدا کرتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں لوگوں کے نام ومقام تہذیب و تشخص میں بہت کچھ مل جل گیا ہے۔

۳- تحریکِ اسلامیہ کے دشمن اس مشکل سے واقف ہیں۔ لہٰذا وہ ہر ممکن کوشش سے، ہر قسم کی تلبیس اور دھوکہ دہی سے ان تحریکوں کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑی تہمت عائد کی ہے۔ اور وہ تہمت ہے تکفیر مسلمین۔ یعنی مسلمانوں کو کافر کہنے کی تہمت عائد کی جاتی ہے۔ اس دور میں تکفیر کے مسئلے کے لئے قول اللہ اور قول رسول کے بجائے لوگوں کی طرف رجوع کیا جانے لگا ہے۔

۴- اس کٹھن راہ کو عبور کرنا ہر صاحبِ دعوت کے لئے ضروری ہے۔

مذکورہ بالا سطور کو پڑھ کر کوئی جلد باز قاری سید قطب پر تہمت تکفیر عائد کرسکتا ہے۔ کیونکہ آپ کی دیگر تصنیفات میں ایسے نظریات کم ہی دیکھے گئے ہیں۔ سید قطب کے تحریر کردہ فقرے ترتیب وار دوبارہ تحریر کیے دیتے ہیں۔ سید قطب کی پہلی عبارت میں جن باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ زمین، وطن، اور قوم ہیں آپ لکھتے ہیں کہ اب اسلام کے وجود کو ایک نظام میں نظر آنا چاہیے۔ اور وہ نظام ایک وطن پر نافذ ہو۔ اور جو لوگ اس وطن میں ایک معاشرے کی شکل میں رہائش

پذیر ہوں ان کو ایک قوم کہا جائے گا۔ اس تفصیل کے بعد سید صاحب فرماتے ہیں

۱۔ دین اسلام جو ایک نظام کی شکل میں وقوع پذیر ہوگا۔ اس کے اپنے کچھ قوانین اور عسکری ذرائع ہوں جو ان قوانین کو نافذ کریں۔ اگر یہ قوانین اللہ کی شریعت پر مبنی نہ ہوں گے تو اسلامی کیسے ہوں گے؟۔

۲۔ اسی طرح جو معاشرہ یا جو قوم اس وطن میں رہنے والی ہوگی اور وہ غیر اسلامی قوانین پر راضی ہوگی۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت سے دور ہوں تو معاشرہ اجتماعی طور پر شریعتِ الٰہی سے دور ہوگا۔ (ایک عجیب بات یہ ہے کہ یوسف قرضاوی بذات خود ایسے ہی نظریات رکھتے ہیں۔ آپ اپنی کتاب (فقه الأقليات المسلمة) میں لکھتے ہیں۔ اس وقت اسلامی معاشرہ کہاں ہے؟ درحقیقت وہ اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد میں عقیدہ، شریعت اور شرعی تہذیب و اخلاق موجود ہوں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ دونوں اشخاص میں زبان و علاقے کے لحاظ سے بہت فرق ہے ہمارے خیالات بھی یہی ہیں کہ اس مسئلے میں اجتماعی قوم کے متعلق بحث کی جائے۔ نہ کہ عام افراد پر بحث کی جائے۔ شیخ قرضاوی نے اس کے باوجود سید قطب پر تکفیر کرنے کا الزام لگایا ہے۔ کیا آپ کو شیخ قرضاوی کی عبارت میں تکفیر دکھائی دے رہی یا نہیں؟؟۔

اس کلام پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید قطب نے کسی خاص فرد یا قوم کا نام لے کر اس پر حکم جاری نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ہر فرد کی حالت پر کوئی بھی اتنی معرفت نہیں رکھ سکتا کہ اس پر کسی قسم کا حکم جاری کیا جائے۔ لہٰذا اس مسئلے میں کسی فرد یا قوم پر حکم لگانے کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کیونکہ فرداً فرداً تمام اہل قوم کی حالت کا علم رکھنا صرف اللہ تعالیٰ کی طاقت ہے۔

سید قطب کے مذکورہ کلام میں تین امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کا علم ضروری ہے۔

۱۔ حاکمانہ نظام۔

۲۔ محکوم قوم۔

۳۔ فرد کی انفرادی حیثیت۔

جو شخص سید قطب کے نظریات میں اس بیان کردہ فرق کا خیال نہیں کرسکتا تو وہ بغیر سوچے سمجھے کسی قسم کا حکم نہ لگائے۔ جب تک وہ دقتِ نظر اور احتیاط سے کام نہ لے اس وقت تک وہ اس بحث سے مسائل کا استنباط نہ کرے۔ غور وفکر سے ہی ایک جاہل اور ایک عالم میں فرق واضح ہوسکتا ہے۔ سید قطب کے دوسرے پیرا گراف میں تحریکات اسلامیہ کی

توجہ اقامتِ دین کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ان تحریکوں کے تصورات پر چھائی ہوئی تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔علاوہ ازیں اس بات میں کوئی بھی عقلمند شک نہیں کرسکتا کہ اس دور کے اسلامی معاشروں میں بالفعل دین سے دوری ہوچکی ہے۔نام نہاد مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں میں جرأت مند ہوچکے ہیں۔احادیث سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ترقی پسندی' آزاد خیالی کا سہارا لیا جاتا ہے۔بعض کمیونسٹ لادین عناصر ہیں جو شریعت کو موجودہ ترقی یافتہ دور کے لئے موزوں تصور نہیں کرتے۔کچھ عناصر ایسے بھی ہیں جو یہودیت عیسائیت اور اسلام تینوں ادیان کو مساوی طور پر برحق مانتے ہیں۔ان حالات میں سید قطب اپنی فکر کو پیش کرتے ہوئے جانتے تھے کہ لوگ آپ پر تکفیر کی تہمت عائد کریں گے۔آپ جانتے تھے کہ دشمنانِ دین چاہے وہ بنیادی طور پر غیر مسلم ہوں یا ایسے نام نہادم مسلمان جو غفلت و جہالت اور شہوتِ نفسانی میں مبتلا ہوں۔یہ سب لوگ اس بیمار سوچ کی نشر واشاعت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔تاکہ مسلمانوں میں اتنی بھی تمیز نہ رہے کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں؟ کھرا کھوٹا ایک دوسرے سے الگ نہ ہوسکے۔ظاہر ہے جب مسلمان ایسی تمیز کھو بیٹھیں گے تو ان حالات میں کفر کو پھلنے پھولنے کے مواقع ملتے رہیں گے۔سید قطب نے مسلمانوں میں شامل ایسے عناصر کے منصوبوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اپنی تصنیفات کا سہارا لیا۔عام مسلمانوں ان علماء کرام میں غفلت شعاری اور ارجاء پسندی کے جراثیم کو ختم کرنے کی کوشش کی۔یہ یاد رہے کہ سید قطب نے اپنے کلام میں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنا باشک وشبہ ایک تہمت ہے۔کسی کو کافر قرار دینے کے لئے ایسے دلائل و براہین کی ضرورت ہوتی ہے جو روزِ روشن سے بڑھ کر عیاں ہوں۔اس امر کے ساتھ ساتھ یہ معاملہ بھی توجہ طلب ہے کہ مسلمانوں کے گروہ در گروہ لوگ مرتد ہوتے جا رہے ہیں۔مسلمانوں میں مرتد ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی نہ ہوتا جس میں ارشاد ہوا ہے۔

((وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ)) (بقرة:٢١٧)

''جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوجائے ۔اور اس حالت میں مرجائے تو وہ کافر ہوگا۔ایسے لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں ضائع ہوگئے ہیں۔یہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔''من بدل دينه فاقتلوه''جو شخص اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کردو۔(بخاری)۔ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد مرتد ہونے کا خطرہ موجود ہوتا ہے۔اصحابِ

حکومت کو طاقت میسر ہوتو مرتدوں پر حد قائم کرنی چاہیے۔لیکن ارتداد کی تعین کے لئے کتاب وسنت سے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ان دلائل کے بعد دیکھنا چاہیے کہ متعین طور پر نام لینے کی ضرورت ہے یا نہیں۔اگر کسی مرتد سے خطرات لاحق ہوں اوراس کی دعوت سے لوگوں کو بچانا مقصود ہوتو اس کو متعین کر کے نام لینا چاہیے لیکن حدود کا نفاذ حکومت کی طرف سے ہونا چاہیے۔گذشتہ تفاصیل پر نظر ڈال کر بتایئے کہ کیا سید علیہ الرحمۃ نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے یا آپ راہِ صواب پر گامزن ہیں؟؟ موجودہ اسلامی معاشروں میں جاہلانہ قوانین اور غیر اسلامی تہذیب کی روک تھام کرنا کیسے ممکن ہے۔اسی لئے سید قطب مسلمانوں کی موجودہ اجتماعی منظر کشی پر تنقید کرتے ہیں آپ عام مسلمان فرد جو عقیدۃً اور عملاً اللہ کے دین کو اختیار کرنے والا ہر کسی قسم کا کوئی حکم نہیں لگاتے ہیں۔تمام افراد کی تکفیر کرنا قدیم وجدید خوارج کا طریقہ کار رہا ہے۔جو کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

عزیزانِ من! کلام سید قطب مسلمانوں کی اجتماعی صورت حال کے متعلق ہے۔جس صورت حال میں غیر اسلامی طرزِ حیات کی بیماری بڑھتی چلی جارہی ہے۔کسی ایک فرد کے متعلق یہ کلام نہیں کہا جارہا ہے۔سید قطب نے اپنے افکار کے ذریعے مسلمانوں کی سوتی ہوئی غیرت کو جگایا تھا۔اور دینِ الٰہی کی عظمت کو دلوں میں جاگزیں کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔سید قطب نے ''فی ظلال القرآن''، ''معالم فی الطریق'' اور دیگر تصنیفات مشہورہ کے ذریعے ایک نیا اسلوب اور طرزِ نگارش پیش کیا۔جس میں ادب کے ساتھ ساتھ افادیت بھی تھی۔آپ کو ان کتابوں میں فقہی اور اصولی مباحث نہ ملیں گے۔اور یہ بات درست بھی نہیں کہ ان کتابوں کو فقہی اور مسائل واحکام کے معیار پر پرکھا جائے۔''ظلال القرآن'' کے مصنف کو فقہی مباحث سے کوئی غرض نہ تھی۔لہٰذا عوام الناس ان کتابوں میں تقید واختلاف نہ پائیں گے۔بعض جذباتی اور دھوکہ میں مبتلا نوجوانوں نے اگر ان کتابوں سے تکفیری سوچ اختیار کی تو اس میں سید صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے۔آپ کا کوئی گناہ نہیں ہے۔کیونکہ قرآن حکیم جو ہدایت اور کامیابی کا سرچشمہ ہے۔اس کو بھی بدعتی فرقوں نے اپنے دلائل اور مرضی کی تاویل وتفسیر کے لئے تختۂ مشق بنایا ہوا ہے۔حالانکہ کلام اللہ ان فرقوں سے بری الذمہ ہے۔فکر سید قطب کا معاملہ بھی یہی ہے۔آپ کی فکر کو پڑھنے والا ہر قاری انہی خواہشات کے مطابق تفسیر کرسکتا ہے۔مکرر ارشاد ہے کہ ان افکار پر غور کرنے اور سید قطب کے نظریات کو نہایت باریک بینی سے پڑھنے کے بعد ان سے مسائل کا استنباط کیا جائے۔عقل ودانش کو استعمال کر کے ہی ایک جاہل، عالم بن سکتا ہے اور ایک حقیقی فقیہہ اور نام نہاد عالم میں امتیاز ہوسکتا ہے۔

تحریکی حدود اور افکار سید قطب!

سورۃ انعام کی تفسیر میں سید قطب رقم طراز ہیں۔''لازم ہے کہ دعوتِ الی اللہ کی ابتداء مجرموں اور مومنوں کے درمیان فرق سے کی جائے۔کلمہ حق کو بیان کرنے اور مسلمانوں اور کفار میں حدِ امتیاز کھینچنے سے اصحابِ دعوت ہرگز بزدلی اور مداہنت اختیار نہ کریں۔دعوتی میدان میں کسی کا خوف اور ڈر اپنے قریب نہ آنے دو۔کسی ملامت گر کی ملامت کسی چیخنے والے کی الزام تراشیاں تمہیں اپنے مقصد سے ہٹانہ پائیں۔اسلام کوئی لچکدار اور غیر متحرک دین نہیں ہے جیسا کہ یہ دھوکے میں مبتلا لوگ سمجھتے ہیں۔اسلام اور کفر اپنے مقام پر بالکل واضح ہیں۔اسلام لا الٰہ الا اللہ کی-اس کے تقاضوں کے ساتھ-گواہی دینے والا ہے۔لہٰذا جو شخص اس کلمے کی اس کے تقاضوں کے مطابق گواہی نہیں دیتا اور اس کلمے کو اپنی زندگی پر قائم نہیں کرتا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کافروں ،ظالموں ،فاسقوں اور مجرموں میں شامل ہے۔''

''معالم فی الطریق'' میں سید قطب لکھتے ہیں۔''اسلام جب تک ایک معاشرے میں صورت پذیر نہ ہو اس وقت تک اس کی افادیت سامنے نہیں آتی۔یعنی اسلام کو ایک قوم اور ایک امت میں ظاہر ہونا چاہیے۔گذشتہ طویل عرصے سے ایک امتِ مسلمہ کا حقیقی وجود نظر نہیں آرہا ہے۔امتِ مسلمہ ایک خاص وطن یا کسی ایک خاص قوم کا نام نہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ ہماری قوم کے آباء واجداد چونکہ اسلامی نظام کے مطابق زندگی گزارتے تھے لہٰذا ہم بھی مسلمان ہوئے ۔دراصل امتِ مسلمہ انسانوں کی ایک عظیم جماعت کا نام ہے۔جن کی زندگیاں' جن کے تصورات اور جن کے قوانین 'وآئین' اقدار و تہذیب تمام کی تمام ایک اسلامی نظام کے تحت ہوں۔اور جب سے اللہ کی شریعت کے مطابق چلنے والی حکومتیں ختم ہوئی ہیں۔اس قسم کا اسلامی معاشرہ بھی اپنا وجود کھو بیٹھا ہے۔(المعالم صفحہ۴)

امت مسلمہ کو اس وقت ایک انقلاب کی سخت ضرورت ہے۔جس سے فرسودہ نظامِ حیات اور نظام حکومت کی دنیا میں انقلاب واقع ہو جائے ،موجودہ معاشرہ اگرچہ بزعم خود عالم اسلامی ہے لیکن اس کا اسلام سے تعلق اور منہج اسلام سے واسطہ کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے۔(صفحہ۵)

سید قطب کی نگاہوں میں اسلام ایک تحریکی اور پریکٹیکلی (Paractically) دین ہے۔اسلام علمی یا نظریاتی (Theoretically) دین نہیں ہے۔سید صاحب نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے اس متحرک دین کی طرف ان کی

توجہ مبذول کروائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج بھی یہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم پر عمل کر کے اور متحرک ہو کر اس بگڑے معاشرے کو راہِ راست پر لائے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حقیقی ایمان پر قائم تھے ہمیں بھی ایسا ہی ایمان اپنانا پڑے گا۔ بزرگوں میں قربت الٰہی یا بزرگوں کے اقوال و آراء کو زندگی کا منہج بنانے سے کامیابی میسر نہیں آئے گی۔ سید قطب اس تمام صورت حال سے واقف تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو دین پر چلنے اور اقامتِ دین کی راہ سمجھائی۔ ان کو عملی مسلمان بننے پر آمادہ کیا۔ آپ نے اپنے اس اسلوب اور طرزِ دعوت کو داعیوں میں بھی پیش کیا۔ تاکہ داعیوں اور علماء کے ذریعے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح درست طریقے سے کی جائے۔ معاشرے کی بیماری کی درست تشخیص کے بعد ہی درست علاج و معالجے کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔ اس مقام پر بہتر ہوگا کہ ہم اس بحث کو سید قطب کے الفاظ میں بیان کریں۔ آپ لکھتے ہیں ''امتِ مسلمہ کا معتبر وجود بہت طویل عرصے سے ناپید ہو چکا ہے''۔ اس عبارت کو لے کر سلفیت کا دعویٰ کرنے والوں نے الزام عائد کیا کہ سید قطب عوام الناس کی تکفیر کر رہے ہیں۔ حالانکہ سید کے الفاظ سے مراد تکفیر مسلمین نہ تھی۔ سید کی تحریر دو باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۱۔ امت مسلمہ کا عدم وجود۔

۲۔ امت مسلمہ کے حقیقی وجود کا عرصے سے ناپید ہونا۔

آپ کی تحریر سے مراد یہ دوسرا مسئلہ تھا۔ سید صاحب امتِ مسلمہ کے جس وجود کے انقطاع کی بات کر رہے ہیں اس سے مراد امتِ مسلمہ کی چند صفات ہیں۔ وہ امت مسلمہ میں نظام اسلامی حکومت کرنے والا ہو۔ شرعی قوانین کا اثر ورسوخ ہو۔ مسلمان اقوام میں اسلامی تہذیب واقدار نمایاں ہوں۔ ذرا بتایئے! ان صفات کا حامل امتِ مسلمہ کا وجود کیا موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں آہستہ آہستہ اسلامی طرزِ حیات اور اسلامی نظام حکومت بدلتا جا رہا ہے۔ اس تبدیلی کے ذریعے معاشرتی اقدار جاہلیت کی طرف بڑھتی جا رہی ہیں۔ جب سے نظام خلافت ختم ہوا ہے۔ اس وقت سے غیر شرعی قوانین نافذ ہونے لگے ہیں۔ سید صاحب نے بھی آخر میں اسی جانب اشارہ کیا ہے''۔ اسلامی صفات سے متصف معاشرہ اس وقت مٹا جب اس سرزمین پر غیر شرعی حکومت قائم ہوئی۔ اس تفصیل سے سید صاحب کی عبارت کا اصل مقصد واضح ہو چکا ہے۔ آپ کی اس قسم کی تحریروں کے متعلق لوگوں کا دعویٰ ہے کہ سید صاحب کے نزدیک تمام لوگ کافر ہو چکے ہیں یا اسلام کا وجود دنیا سے مٹ چکا ہے۔ (معاذ اللہ)

حالانکہ ہرگز ہرگز سید قطب کی مراد یہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قیامت تک باقی رہنے کی

پیشین گوئی فرمائی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے''**لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق** ''یعنی میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔(بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، احمد) لہٰذا یہ کہنا کہ تمام لوگ کافر ہیں یا اسلام ختم ہو چکا ہے۔نہ تو سید صاحب یہ کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کہنے کا حق حاصل ہے۔اسلام کے قیامت تک موجود رہنے کی بات مدرسے کا ابتدائی جماعت کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے۔کیا سید صاحب نہیں جانتے؟؟؟ سید قطب کے افکار ونظریات بالکل واضح ہیں۔آپ مسلمانوں معاشروں میں نظام اسلامی کو دوبارہ زندہ کرنے کے داعی تھے۔آپ جانتے تھے کہ اسلام اپنے مکمل وجود کے ساتھ انسانوں کی زندگی میں پایا جائے۔وہی نظام اسلام جو خلافت کے وجود کے وقت تھا۔

کلامِ آخر!

آخر میں ایک اہم نقطے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہے کفار سے ''شعوری علیحدگی'' اس موضوع کے متعلق سید صاحب نے تنبیہہ فرمائی ہے۔آپ لکھتے ہیں۔''ایک مسلمان کی موجودہ اسلامی زندگی میں اور ماضی کی جاہلانہ زندگی میں انفرادیت اور علیحدگی کا احساس پایا جاتا ہے۔ جاہلی معاشرے کے ساتھ تعلق وروابط مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے۔ جاہلیت کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے۔ جب سے اسلامی ماحول کی ابتداء ہوتی ہے۔ مشرکوں اور کفار سے روزمرہ کے لین دین اور تجارتی روابط کے ساتھ ساتھ ان سے جداگانہ ہونے کا احساس قائم رہتا ہے۔ایک مسلمان کو جاہلانہ ماحول'اس کے تصورات وعادات اور تعلقات سے مکمل جدا ہونا چاہیے۔عقیدۂ شرک سے خارج ہوکر عقیدۂ توحید میں داخل ہونا چاہیے۔ جاہلیت کو چھوڑ کر نئے اسلامی معاشرے اور نئے اسلامی تہذیب وتمدن کو اپنانا ازحد ضروری ہے۔اپنے ہمدردی اور محبت کے جذبات امتِ مسلمہ کو امتِ مسلمہ کے لئے وقف کرنا چاہیے۔

عزیزانِ گرامی! ایک مرتبہ پھر غور وفکر کیجئے اور دیکھئے کہ کیا سید صاحب درست سمت گامزن ہیں یا نہیں۔کیا سید صاحب نے راہِ صواب کو ترک کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔سید صاحب موجودہ دور کے خارجیوں کی مانند اپنے وطنوں سے ہجرت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں۔ بلکہ آپ بیان فرمارہے ہیں کہ ایک مسلمان جاہلیت پر مبنی معاشرے میں رہ سکتا ہے۔ وہاں کے لوگ جاہلیت پر ہوں یا قانون جاہلیت پر مبنی ہو۔کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن اس مسلمان کو اتنا خبردار ضرور رہنا چاہیے جاہلی قوانین اور جاہلی طرز حیات کیا ہے۔تاکہ اپنے آپ کو جاہلیت پر مبنی تہذیب سے بچا سکے۔یا لاعلمی میں جاہلوں کی راہ پر چلنے نہ لگے''۔سید صاحب کے اس مختصر سے کلام میں عقیدہ ولاء والبراء کو بیان کیا گیا ہے۔لیکن سید صاحب کا اسلوبِ بیان بہت ادبی اور اثر انگیز ہے۔تاکہ جہاں پر خشک فقہی مباحث اثر نہ کرسکیں وہاں آپ کا اثر انگیز طرزِ بیان لوگوں کے دلوں میں اترتا چلا جائے۔ذرا بتایئے کیا سلفیت کے دعوے دار عقیدہ ولاء والبراء سے انکاری ہیں۔سید صاحب فرماتے ہیں کہ عقیدۂ دوستی ودشمنی پر اس وقت تک عمل نہ ہوگا جب تک عمل کرنے والے کے دل میں اسلام کی محبت زندہ نہ ہوگی۔ایک مسلمان کو اپنے حدود وضوابط سے باخبر رہنا چاہیے اس کو علم ہو کہ اس کے لئے جائز کیا ہے اور ممنوع کیا ہے۔سید قطب جاہلیت کے جس مرحلے کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں اس مرحلے سے بہت سے لوگ گزرتے رہتے ہیں۔ یہ مرحلہ اللہ تعالیٰ اور شریعت سے دوری کا مرحلہ ہوتا ہے۔اسی ماحول کو سید قطب جاہلیت کا

دور کہتے ہیں۔ایک شخص جب مسلمان ہوتا ہے تو اس مرحلے سے ضرور گزرتا ہے۔اس کو چاہیے کہ وہ اسلام کے متضاد تمام امور عادات واقدار کو مکمل طور پر چھوڑ دے۔یہاں میں ارتکابِ گناہ کی بات نہیں کررہا ہوں کیونکہ انسان تو خطاؤں کا پتلہ ہوتا ہے۔بلکہ میں جاہلیت پر مبنی تہذیب کو چھوڑنے کی بات کررہا ہوں۔اسلام کا صحیح فہم رکھنے والے شخص کو گناہ اور غیر اسلامی جاہلانہ زندگی میں فرق ضرور معلوم ہوگا جب یہ فرق انسان کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو اس کو گذشتہ ایام کے احباب واقرباء سے ایک شعوری فرقت اور دوری کا احساس ملتا ہے۔یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کی حقیقت اس شخص کو معلوم ہوگئی جو اس تجربے سے گزرا ہوگا۔بہرکیف خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلفیت کے دعویدار گروہ نے اور دیگر داعیوں نے لوگوں کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اپنا رکھا ہے۔لہٰذا جب انہیں سید قطب کے نظریات کچھ اور ہی نظر آتے ہیں تو یہ لوگ سید صاحب پر اپنے الفاظ کے نشتروں سے حملہ آور ہوجاتے ہیں۔ہر قسم کی بدگوئی' گھٹیا بحث وجرح کے ذریعے سید صاحب کی مخالفت کی جاتی ہے۔آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کی جاتی ہیں اگر یہی باتیں ان لوگوں کے خلاف کی جائیں' جو غیر اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والی بدترین مخلوق ہے تو ان کو بہت بری لگیں۔اور جو افراد اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے اور اس کے احکامات کو ایک معاشرتی نظام اور ایک حکومتی آئین میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں ایسی گفتگو کرنے کی اجازت کون سی عقل کون سا اخلاق یا کون سا دین دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اوہام اور غلط فہمیوں سے بچائے۔سید صاحب کے متعلق گفتگو ان شاءاللہ جاری رہے گی

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

از۔ڈاکٹر طارق عبدالحلیم المصری

مترجم:خلیق الرحمٰن قدر

استاذ جامعہ دارالحدیث رحمانیہ

سولجر بازار کراچی پاکستان

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان